ڈاکٹر سجاد علی رئیسی
اسسٹنٹ پروفیسر، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور
ڈاکٹر گل واحد ندیم
اسسٹنٹ پروفیسر پرسٹن یونیورسٹی، سائٹ برانچ کراچی

خلافت جمہور: علامہ اقبال اور سید مودودی کے افکار کی روشنی میں

Abstract

The thoughts of Allama Iqbal & Syed Mododi are regarded as the foundation of unique democratic governments. There is no vast difference between the thoughts/ideologies of these prominent philosophers of the East. As far as Islamic state is concerned the characteristics of Syed Mododi's thought are totally different. He presents a new ideology/concept of khilafat o Jamohriat which is termed as "Khilaft-e-Jamhor." Syed Mododi calls the present democracy as matlakul Annan. Similarly, Allama Iqbal does not support this type of democratic regime. To Iqbal people are more powerful in the democracy. According to pattern of these scholars if in democratic system Allah Almighty is superpower than this system could be considered a form of Prophetic path. (Jamhoriat Alla Minhajal Nabuha.

کلیدی الفاظ

جمہور، منہاج النبوۃ، خلافت، مطلق العنان، مقتدرِ اعلیٰ

مقدمہ

علامہ محمد اقبال اور سید مودودی ملت اسلامیہ کی وہ عظیم شخصیتیں گزریں ہیں جن کے افکار و نظریات نے ملت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو لاشعور سے شعور کی طرف گامزن کیا ہے۔ ان شخصیات کے منفرد نظریات میں سے ایک نظریہ طرز حکومت سے متعلق ہے۔ دنیا میں رائج مختلف طرزہائے حکومتوں میں سب سے زیادہ مشہور اور معروف نظریہ جمہوریت ہے۔ لیکن اس کی عملداری میں جو نقائض اور خامیاں ابھر کے سامنے آتی ہیں جن کی بنیاد پر جمہوری طرز حکومت کے خلاف بھی گاہے بگاہے مختلف نظریات ابھر کے سامنے آتے ہیں۔ جن شخصیات نے رائج العمل جمہوری طرز حکومت پر تنقید اور جزوئی طور پر اختلاف کرتے ہوئے اس کے متبادل نظریات پیش کئے ہیں، ان میں سے ایک اہم نام سید مودودی کا ہے۔ جمہوریت کی اصطلاح عربی زبان کے لفظ جمہور سے مشتق ہے۔ جمہور عربی میں عوام کو کہا جاتا ہے۔ اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ۔ معروف ماہر لغت لویس معلوف نے جمہوریت کی یوں تعریف کی ہے۔ "(الجمہوریّۃ) الامۃ او الدولۃ یعیّن زعیمھا لوقت محدّد لا بالتّوارثِ بل بانتخاب جمھور الامۃ ۔ جمہوریت دراصل رعایا یا ریاست جو اپنے سربراہ کو مخصوص مدت کے لئے اپنا سربراہ متعین کرے اور یہ تعیناتی وراثت کی بنیاد پر نہیں ہو بلکہ ملک کی عوام یہ انتخاب اپنی رائے کے ذریعے کرے۔ (1) اسی طرح معروف سوشلسٹ مورخ "کرن آرم اسٹرانگ" جمہوریت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے۔" (2)

جمہوریت کا مفہوم یہی ہے کہ اکثریت کی رائے کا انتخاب ہو اور اکثریت کی رائے کے تعین کے بعد اس اکثریت کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہو۔ جبکہ اکثریتی رائے کے مقابلے میں جمہوری مشق سے اقلیتی رائے کا تعین بھی ہو جاتا ہے لیکن اقلیت کے تعین کے باوجود اس اقلیت کی رائے فی الحقیقہ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ لیکن یہ ایک بدیہی اور عام فہم مسئلہ ہے کہ اکثریت میں ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے مخالف کی رائے باطل اور غلط ہو اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو۔ لیکن جمہوری پروسس میں اقلیت کی رائے کو

رد کر دیا جاتا ہے۔ یہی جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس طرف راقم نے کسی اور مقالے میں بھی اشارہ کیا تھا۔ "جمہوریت کا عمومی مفہوم عوامی حکومت ہے۔ اس لحاظ سے جمہوریت وہ واحد راستہ ہے جس میں ریاست کے اکثر عوام اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں بہترین اور صحیح امور کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس حوالے سے اکثریت کا ایک صحیح انتخاب ممکن ہے لیکن اس کے باوجود جمہوریت یا اکثریت کی رائے کو حتمی طور پر صحیح اور غلط کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ممکنات سے خالی نہیں ہے کہ لوگوں کی منتخب شدہ جماعت عملی طور پر انسان کی فلاح و بہبود کے خلاف کام کریں جس کی مثالیں دور حاضر کی جمہوری حکومتوں یا تاریخ کی تمام جمہوری حکومتوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔"(3)

بہر حال جن مفکرین نے جمہوریت کے خدوخال کو بیان کیا ہے ان کے مطابق تمام طرح کی طرز حکومتوں میں سب سے بہتر طرز حکومت جمہوریت ہے جس پر شاید ہی کسی کو اختلاف ہو۔ البتہ برصغیر کی دو اہم شخصیات علامہ اقبال اور مودودی اس نظریہ سے صد فیصد متفق نظر نہیں آتے اور نہ ہی صد فیصد رائج العمل جمہوریت کی نفی کرتے ہیں۔ سید مودودی کا موقف ہے کہ جمہوری اقدار اور جمہوریت کی اصل روح یورپ کا ورثہ نہیں بلکہ یہ اسلام کا ورثہ ہے۔ اہل مغرب نے اسلام کے نظریہ شورائیت کی بنیاد پر جمہوریت کے نام سے ایک طرز حکومت کو رائج کیا ہے۔ جس کا مقصد الٰہی قوانین کے قوت نافذہ کا حصول نہیں ہے بلکہ مطلق العنان حکومت قائم کرنا ہے تاکہ لوگوں کا بآسانی استحصال کیا جاسکے۔ جیسا کہ آپ تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "چونکہ سوسائٹی اخلاق، امانت اور دیانت کی نعمتوں سے محروم ہے اور ان تصورات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیتی۔ اس لئے انتخابات جس میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت اپنے علم، اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے بے وقوف بناسکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ سے ہی ان کے آلہ کار بن جاتے ہیں اور عوام کے فائدے کیلئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کیلئے قوانین بناتے ہیں یہی مصیبت امریکہ میں ہے یہی انگلستان میں ہے جن کو جمہوریت کی جنت ہونے کا دعویٰ ہے۔"(4) رائج العمل جمہوریت میں جو خامیاں اور نقائص ہیں جن کی بنا پر وہ ایک سرمایہ دارانہ نظام اور مطلق العنان سیاست کو جنم دیتی ہے۔ اس پر سید مودودی کی مکمل نظر ہے لیکن وہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ سرمایہ دارنہ دنیا میں جمہوریت کی جو شکل ہے اس بناء پر اس نظام کو یکسر مسترد کیا جائیں۔ بلکہ سید مودودی کی فکر یہ ہے کہ ہمیں مغرب کی بے قید

جمہوریت کے بجائے ایک اخلاقی اور دینی ضابطے کی پابند جمہوریت بنانی ہو گی۔ اس سلسلے میں مولانا مودودی جمہوریت کے نقائص کو جمہوریت کی ناکامی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جمہوریت کی ناکامی کے اسباب یہ ہیں۔ "مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخرکار جس چیز پر قائم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے۔ وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم نے مقرر کیا ہے۔ اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بناء پر مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔ دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک دلوں میں اس کا بوجھ سہارنے کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہو۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے۔ یہ چیز جتنی کم ہو گی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور یہ جتنی زیادہ ہو گی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ سوم یہ کہ جمہوریت کی کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار مغز مضبوط رائے عامہ ہے اور اس طرح کی رائے عامہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو ان افراد کی صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے کام اس میں پھیل نہ سکیں اور نیکی اور نیک لوگ اس میں ابھر سکیں اسلام نے اس کیلئے ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں۔ اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عملدرآمد کی مشینری خواہ کسی طرح کی بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جا سکتی ہے اس کے بعد اصلاح و ارتقاء کیلئے اتنی کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربے کا موقع، تجربات سے بہ تدریج ایک ناقص مشینری بہتر اور کامل بنتی چلی جائے گی۔" (5)

سید مودودی جہاں جمہوریت پر شدید تنقید کرتے ہیں وہی پر اسی جمہوریت کو خلافت راشدہ سے منسوب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ البتہ اس جمہوریت اور موجودہ رائج جمہوریت میں ایک بنیادی فرق کو بھی واضح کرتے ہیں کہ موجودہ رائج جمہوریت میں جمہوری سربراہ مطلق العنان ہوتا ہے جبکہ سید کی فکر جمہوریت میں جمہور کا سربراہ خلق خدا کے سامنے جواب دہ اور خادم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے سید اپنی کتاب خلافت و

ملوکیت میں امام ابویوسف کی مثال پیش کرتے ہیں کہ "جب ان سے ہارون الرشید نے سلطنت کیلئے کتاب آئین مرتب کرنے کیلئے کہاتو انہوں نے اپنی کتاب الخراج میں خلیفہ کا یہ تصور پیش کیا کہ وہ صرف خدا کے سامنے ہی نہیں بلکہ خلق کے سامنے بھی جواب دہ ہے انہوں نے احادیث اور اقوال صحابہ نقل کئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے فرمانرواؤں اور احکام کے سامنے آزادانہ تنقید کا حق حاصل ہے اوراس آزادی تنقید میں قوم اور حکومت کی ہے۔"(6)

سید مودودی اور علامہ اقبال کے جمہوریت کے حوالے سے نظریات کو پرکھنے سے قبل اس نقطہ کو سمجھنا لازمی ہے کہ وہ بنیادی نقطہ کیا ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں شخصیات رائج العمل جمہوریت کو مغربی جمہوریت کا نام دے کر اس کی مخالفت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق ایک ہی بنیادی وجہ اختلاف ہے کہ موجودہ رائج العمل جمہوریت میں جمہور مقتدر اعلیٰ کا مصداق قرار پاتا ہے۔ اس بات کا اندازہ جمہوریت کی اس تعریف سے لگایا جاسکتا ہے۔

A state in which the supreme power rests in the body of citizens entitled to vote and is exercised by representatives chosen directly or indirectly by them. (7)

سید مودودی جمہوریت کی بنیاد پر حکمرانوں کی مطلق العنانی کے خلاف تھے اور اسی طرح وہ خلافت راشدہ کے پیٹرن پر خلافت کے قیام کے بھی قائل نہیں تھے۔ وہ ان دونوں نظریات کے مابین ایک اور نظریہ پیش کرتے ہیں۔ جس کو وہ "خلافت جمہور" سے معنون کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید مودودی مغربی جمہوریت یا آج کی دنیا میں رائج جمہوریت کے نظریہ حاکمیت کو جزوئی طور پر مسترد کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں "خلافت جمہور یا جمہوری خلافت یا الٰہی حکومت" کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔"ہم جمہوری حاکمیت کے بجائے جمہوری خلافت کے قائل ہیں۔ شخصی بادشاہی امیروں کے اقتدار اور طبقوں کی اجارہ داری کے ہم بھی اتنے ہی مخالف ہیں جتنا موجودہ زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا جمہوریت پرست ہوسکتاہے۔ اجتماعی زندگی میں تمام لوگوں کے یکساں حقوق، مساویانہ حیثیت اور کھلے مواقع پر ہمیں بھی اتناہی اصرار ہے جتنا مغربی جمہوریت کے کسی بڑے سے بڑے حامی کو ہوسکتاہے ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کا انتظام اور حکمرانوں کا انتخاب تمام باشندوں کی آزادانہ مرضی اور رائے سے

ہونا چاہیے ہم بھی اس نظام زندگی کے سخت مخالف ہیں جس میں لوگوں کیلئے اظہار رائے کی آزادی، اجتماع کی آزادی اور سعی و عمل کی آزادی نہ ہو یہ امور جو جمہوریت کا اصل جوہر ہیں ان میں ہماری جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اہل مغرب نے ہمیں سکھائی ہو ہم اس جمہوریت کو اس وقت سے جانتے ہیں اور دنیا کو اس کا بہترین عملی نمونہ دکھا چکے ہیں کہ جبکہ مغرب پرستوں کی پیدائش میں ابھی سینکڑوں برس کی دیر تھی دراصل ہمیں اس زبردست جمہوریت سے جس چیز میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کو حکم مان کر انسانی زندگی کا نظام حکومت خلافت و نیابت کے نظریہ پر بنایا جائے۔ خلافت بلاشبہ جمہوری ہونی چاہیے۔ جمہور کی رائے سے ہی حکومت کے امیر کا انتخاب ہونا چاہیے۔ جمہوری رائے سے اہل شوریٰ منتخب ہونے چاہیے اور جمہور کے مشورے سے حکومت کے سارے انتظامات چلنے چاہیے۔ عوام کو تنقید و احتساب کا کھلا حق ہونا چاہیے لیکن یہ کچھ اس احساس و شعور کے ساتھ ہونا چاہیے کہ ملک خدا کا ہے ہم مالک نہیں بلکہ نائب ہیں اور وہ اخلاقی اصول، قانونی احکام اور حدود اٹل ہیں جو خدا نے ہماری زندگی کیلئے مقرر کر دیئے ہیں۔" (8)

سید مودودی ایسی کسی بھی جمہوریت کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ جس میں اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام ہوں۔ "کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اعلیٰ Sovereign صرف خدا ہے۔ اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت (Secular Democracy) نہیں ہے اس لئے فلسفیانہ نقطہ نظر سے جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون، خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے۔"(9)

سید مودودی کا اسلامی تصور جمہوریت(Theo Democracy)مغرب کے تصور جمہوریت سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اسلامی جمہوریت سے مراد اللہ کی حاکمیت اور عوام کی خلافت ہے۔ جس کیلئے بنیادی قوانین اللہ کے عطاء کردہ ہیں لوگ صرف ان قوانین کو اللہ کی نیابت کرتے ہوئے اس کے نمائندے کے

طور پر نافذ کرنے کے پابند ہوتے ہیں جس میں کسی تغیر و تبدیلی کے وہ مجاز نہیں ہوتے مگر نت نئے پیش آنے والے معاملات میں ضروری قانون سازی کیلئے بھی الٰہی قوانین کے ماتحت ہی کام کر سکتے ہیں۔ سید مودودی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔ "اسلام میں ڈیموکریسی پر یہ حدود و قیود کیوں عائد کئے گئے ہیں اور ان حدود و قیود کی نوعیت کیا ہے اعتراض کرنے والا اعتراض کر سکتا ہے کہ اس طرح تو خدا نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کر لی، حالانکہ ابھی تم یہ ثابت کر رہے تھے کہ خدا کی الٰہیت، انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں، انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کیلئے نہیں بلکہ اس کو محفوظ کرنے کیلئے لیا ہے اس کا مقصد انسان کو بے راہ ہونے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے سے بچانا ہے۔ مغربی جمہوریت جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں عمومی حاکمیت (Popular Sovereignty) ہوتی ہے، اس کا ذرا تجربہ کر کے دیکھئے جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اس کو نافذ کرتے ہیں انہیں اپنی حاکمیت، چند مخصوص لوگوں کے حوالے کرنی پڑتی ہے تاکہ ان کی طرف سے وہ قانون بنائیں اور اسے نافذ کریں اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے چونکہ سوسائٹی اخلاق اور امانت و دیانت کی نعمتوں سے محروم ہے اور ان تصورات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیتی اس لئے اس انتخابات میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت اپنے علم اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے ان کے آلہ کار بن جاتے ہیں عوام کے فائدے کیلئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کیلئے قوانین بناتے ہیں اور اسی طاقت سے جو عوام نے ان کو دی ہے ان قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں یہی مصیبت امریکہ میں ہے، یہی انگلستان میں ہے اور یہی ان سب ممالک میں ہے جن کو جمہوریت کی جنت ہونے کا دعویٰ ہے۔"(10)

سید مودودی کے نظریے کا تنقیدی جائزہ

سید مودودی کا نظریہ "جمہوری خلافت یا الٰہی حکومت" موجودہ رائج جمہوریت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ جمہوریت میں سپریم پاور (حاکمیت اعلیٰ) کا مصداق جمہور (عوام الناس) ہے۔ یعنی رائج الوقت جمہوریت کا سب سے بنیادی اصول Sovereignty of the people ہے۔

یقیناً یہ ایک ایسا بنیادی نقطہ ہے۔ جس پر قرآن و سنت کے تناظر پر غور کیا جائے تو یہ نظریہ اسلامی نقطہ نظر سے کسی حد تک قابل قبول نظر نہیں آتا۔ اسی بنیاد پر سید اس نظریے کے جزوئی طور پر مخالف ہیں۔ اگر دقت سے خلافت جمہور اور رائج الوقت جمہوریت کا مقایسہ کیا جائے تو ان دونوں نظریات میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں جمہور کو ہی حق حاصل ہے کہ وہ انتخاب سے جمہور کے سربراہ کا انتخاب کریں۔ سربراہ حکومت کو حاکم، خلیفہ، امام یا کوئی اور نام دینے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ جدید جمہوریت ہو یا خلافت جمہور ہو دونوں صورتوں میں اصل طاقت کا سرچشمہ جمہور بن جاتی ہے کیونکہ انتخاب کا حق جمہور ہی کو حاصل ہے۔ جمہور جس کا انتخاب کرے اس کی اہلیت کو پھر کوئی اور چیلینج کرنے کا اہل نہیں ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید مودودی کے نظریہ خلافت جمہور اور عام رائج جمہوریت کے مصادیق میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، صرف اصطلاحات کی ہیئت مختلف ہے۔ اگر خلافت جمہور کو مد نظر رکھ کر کسی بھی حکومت کا اجراء کیا جائے تو اس میں اور رائج الوقت جمہوریت میں کوئی عملی فرق نظر نہیں آئے گا۔
علامہ محمد اقبال نے بھی سید مودودی کی طرح رائج العمل جمہوریت پر شدید تنقید کی ہے۔ اس کی خامیوں کو شد و مد کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ علامہ نے جس انداز میں جمہوریت پر تنقید کی ہے اس کی وجہ سے اکثر محققین یہ سمجھتے کہ شاید علامہ جمہوریت کے سخت مخالف تھے۔ درحالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علامہ اس تنقیدی روش کے باوجود بھی جمہوریت کا سرے سے نفی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح سید مودودی نے جمہوریت کو اسلامی اقدار میں پرکھنے کی کوشش کی ہے اسی طرح علامہ اقبال نے بھی اسلامی اقدار سے خالی جمہوریت پر تنقید کی ہے۔ چونکہ اقبال اسلام کو ایک عالمگیر اور آفاقی مذہب سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کا نظریہ تھا کہ جمہوریت کو مذہب اسلام سے الگ نہ کر دیا جائے۔ ایسی جمہوریت جو لادینت پر مشتمل ہو وہ کبھی بھی رعایا کو ان کے حقوق نہیں دلا سکتی ہے۔ اگر علامہ سرے سے جمہوریت کے منکر ہوتے تو یقیناً وہ جمہوریت کے متبادل کوئی نظریہ دیتے۔ انہوں نے اس کا کوئی متبادل نظریہ پیش نہیں کیا ہے۔ آپ نے اسلامی نظام حیات اور اس کی آفاقیت اور عالمگیریت کو بیان کیا ہے۔ علامہ نے پوری تاریخ کو حق و باطل کی رزم گاہ کی شکل میں دیکھا ہے کہ دنیا میں اصلاً دو ہی فکری نظام ہیں ایک یہ کہ انسان کا ایک خالق ہے اور انسانی معاشرہ میں اس کا قانون چلنا چاہیے۔ وہی افکار و نظریات روبہ عمل ہوں جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعے بنی نوع انسان کو عطا کئے ہیں۔ دوسرا نظام یہ ہے کہ

انسان اپنے لئے خود کچھ اصول اور ضابطے طے کرے اور جب اس کا جی چاہے ان میں ردوبدل کر سکے۔ موجودہ رائج العمل جمہوریت اسی کا مصداق ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ بھی رائج العمل جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے ہی تعبیر کرتے ہیں۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام چہرہ روشن، اندورن چنگیز سے تاریک تر (11)

علامہ اقبال مغربی جمہوریت کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کی ایک اہم ترین وجہ یہی ہے کہ مغربی جمہوریت میں جمہور (عوام الناس) مختار کل اور مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے اللہ کی زمین میں اللہ کا نظام ہونا چاہے اس کا مقتدر اعلیٰ جمہور نہیں بلکہ ذات خداوندی خود ہے۔ کہنے کو تو جمہوریت میں عوام کی اکثریت مقتدر اعلیٰ ہے لیکن فی الحقیقت عوام کی اکثریت بھی اس کی حقیقی مصداق نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص گروہ جو عوامی رائے سے اقتدار میں آتا ہے وہی گروہ اپنے کو مقتدر اعلیٰ تصور کرتا ہے۔ یہ تصور جمہوریت قومی اور عوامی نمائندوں کیلئے خدا، رسول اور آسمانی کتابوں یا اخلاقی قدروں کی تابعداری کو ضروری نہیں قرار نہیں دیتا یعنی گویا عوام خدا ہوتے ہیں اور نمائندے ان کے رسول کے طورپر ایستادہ ہوتے ہیں۔

''اقبال کے مطابق مغربی جمہوریت میں کہنے کو تو عوام کی حکومت عوام کیلئے ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ اس نظام میں سیاسی طاقت ایک مخصوص گروہ کے پاس ہوتی ہے۔ بظاہر اقتدار اعلیٰ ایک آدمی کے بجائے بہت سے آدمیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن حقیقت میں حکمرانی افراد کی ایک خاص جماعت کرتی ہے۔ اس حکمران جماعت کے اشاروں پر ملک اسی طرح چاچتا ہے جس طرح کسی آمر کے اشارے پر۔ افراد کی یہ حکمران جماعت رائے کی صلابت یا صداقت کی اتنی اہمیت نہیں دیتی جتنی کہ آراء کی تعداد کو افراد کی اہلیت و قابلیت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا کہ افراد کی اکثریت کس کی جانب ہے۔ اقبال کے لفظوں میں۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ (12)

علامہ اقبال نہ صرف مغربی جمہوریت پر تنقید کرتے ہیں بلکہ دیگر نظامہائے سیاست و حکومت پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ کیونکہ اقبال کا خیال ہے کہ دنیا میں جتنے بھی سیاسی نظام ہیں وہ سب لادینیت سے خالی نہیں ہیں۔ دین و مذہب سے مبرا کوئی بھی نظام انسانیت کو مساویانہ حقوق دلانے سے قاصر ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے ان تمام نظامہائے سیاست پر تنقید کی ہے۔ دنیا میں یقیناً مختلف نظامہائے سیاست ہیں، جن میں

اشتراکیت، اشتمالیت، ملوکیت، بادشاہت، قیصریت وغیرہ ہیں۔ علامہ اقبال نے ان سب کو حرف تنقید بنایا ہے۔ بنیادی طور پر اقبال دنیا کے جتنے بھی نظام زندی یا نظام سیاست ہیں ان کا مطلقاً مخالف نہیں ہے بلکہ وہ نظام زندگی جو اخلاقی اقدار سے خالی ہو، جس میں حکمران اپنے کو مقتدر اعلیٰ تصور کریں، جس میں مخصوص گروہ سیاہ و سفید کا مالک ہو، جس میں اس گروہ کا محاسبہ ممکن نہ ہو، جس میں یہ گروہ اپنے کو خادم کے بجائے حاکم سمجھتے ہوں۔ الغرض اقبال ایسے تمام نظام سیاست کو جس کی بنیاد لادینیت پر مبنی ہو اس کو حرف تنقید بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی کتاب بانگ درامیں "سلطنت" کے عنوان سے ایک پوری نظم تحریر کی ہے جس میں مغربی جمہوریت کی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اقبال نے دنیا کے تقریباً تمام مقبول و مشہور نظامہائے سیاست کی خامیوں کو اپنی شاعری میں اجاگر کیا ہے ان سب کا احاطہ کرنا موضوع سے مربوط نہیں ہے۔ اقبال کا وہ کلام جس میں آپ نے اشتراکیت، اشتمالیت اور ملوکیت وغیرہ پر بہت دلچپ انداز میں تنقید کی ہے۔ ان میں سے چند اشعار بطور تائید پیش کرتے ہیں۔

کردہ کارِ خداونداں تمام — بگذر از لا جانبِ اِلّا خرام
در گذر از لا جوئندہٗ — تازہ لا اثبات گیری زندہِ
اے کہ می خواہی نظام عالمی — جستہِ اُورا اساسِ محکمی
صاحب سرمایہ از نسل خلیل — یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل
زانکہ حق در باطل او مضمر است — قلبِ اُو مومن، دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اندر افلاک را — در شکم جونید جان پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک — جُز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبر حقِ ناشناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است — بیخ او در دل، نہ در آب و گِل است۔ (13)

اقبال کے خیال میں آج جمہوریت میں بادشاہت، ملوکیت، مطلق العنانیت آئی ہے تو اس کی اصل وجہ مذہب کو سیاست سے الگ کرنا ہے۔ آپ کی موجودہ رائج الوقت جمہوریت یعنی مغربی جمہوریت پر تنقید کی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے کہ وہ جمہوریت ہے جس میں عوامی نمائندے جمہور کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اس

جمہوریت میں خالق کائنات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ مغربی جمہوریت میں دین اور مذہب کا عمل دخل نہیں ہے۔ دین و دنیا کی یہ تقسیم بندی موجودہ مذہب عیسائیت کا ایک خاص امتیاز ہے۔ اسی امتیاز کی بنیاد پر اہل مغرب سیاست کو دین سے الگ رکھتے ہیں۔ یہ فکر اب صرف یورپ یا عیسائیت تک محدود نہیں رہی بلکہ اکثر مذاہب کے ماننے والے اور تمام سیکولر فکر والوں کا متفقہ نظریہ بن چکا ہے۔ علامہ اقبال دین اسلام کو ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب سمجھتے ہے اس لئے دین کو دنیا سے الگ کرنے کے قائل نہیں ہیں اسی پس منظر میں علامہ موجودہ رائج الوقت جمہوریت کو مغربی جمہوریت سمجھتے ہیں، نیز دین و دنیا کی اس تقسیم کو بھی تسلیم نہیں کرتا ہے۔ جدید سیاسی تصورات کے مطابق تمام نظامہائے سیاست میں دینی اقدار کی مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ آج کی دنیامیں ہر مملکت میں کوئی نہ کوئی (لیکن ایک دوسرے سے مختلف) طرز حکومت ہے۔ اکثر ممالک میں جمہوری طرز حکومت رائج ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جمہوریت کا عام مفہوم یہ ہے کہ حکومت عوام کی ہو، عوام ہی حکومت کریں اور عوام کی بہتری ہی ان کا مقصود ہو۔ جس طرح ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی تعریف کی ہے۔

"Democracy is a government "of the people, by the people, and for the people." (14)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت ایک مبہم تصور ہے جس کی تشریح ہر مملکت نے اپنے مفادات کے تحت کی ہے۔ اس لئے عملی میدان میں جمہوریت کی کوئی واضح شکل موجود نہیں جس کی پابندی کرنا جمہور اور حکمرانوں پر لازم ہو۔ جب جمہوریت کی مختلف النوع تشریحات ابھر کے سامنے آتی ہیں تو اس کی خامیاں بھی زیادہ بھی زیادہ سے زیادہ واضح ہو جاتی ہیں۔ یقیناً جمہوریت ایک ایسا طرز حکومت ہے جو دیگر طرزہائے حکومت کے مقابلے میں بہتر ہے لیکن اس کی خامیاں اس کی خوبیوں پر غالب ہیں۔ جمہوریت شراب کی مانند ہے جس میں فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اسی بنیاد پر اقبال مغربی جمہوریت کی نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ مغربی جمہوریت میں جب خواص (حکمران) صرف اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو سامنے رکھتے ہیں اور عوام کے حقوق کو پس پشت ڈال لیتے ہیں۔ یہی مقاصد دراصل ملوکیت کے ہیں۔ اقبال پوچھتے ہیں کہ اگر جمہوریت میں وہی کارنامے سرانجام دینے ہیں جو ملوکیت دے رہی ہے تو جمہوریت کا کیا فائدہ ہے۔ یورپ میں قائم جمہوریت درحقیقت ملوکیت کی ایک شکل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے ظلم و ستم کا بازار بادشاہوں اور آمروں نے قائم کر رکھا تھا اب اس کی

سرپرستی جمہوری حکومتیں کرتی ہیں۔اس حوالے سے علامہ اقبال نے ارمغان حجاز میں ایک نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" تحریر کی ہے۔اس نظم میں دنیا کے تقریباً تمام نظامہائے حکومت بشمول جمہوریت کا مقایسہ اسلامی نظام حیات سے کیا ہے۔اس نظم کو اس کے سیاق و سباق سے سمجھا جائے تو ہمارا مقصود کلام واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال دنیا کے کسی بھی نظام کا نہ تو مطلقاً مخالف ہے اور نہ حمایتی۔بلکہ ہر وہ نظام جو لادینیت پر مشتمل ہو چاہے جمہوریت یا خلافت یا کوئی اور نظام سیاست و حکومت علامہ اقبال اس نظام کا مخالف ہے۔شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ اگر اقبال ہر طرح کے نظامہائے سیاست کو حرف تنقید بناتا ہے تو پھر وہ کونسا نظام باقی رہتا ہے جس کی اقبال تائید اور انسانیت کے لئے نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ہم کہہ چکے ہیں کہ اقبال واشگاف الفاظ میں "اسلامی نظام حیات" کو ایک جامع اور مکمل نظام سمجھتے ہیں، جس میں مکمل نظام سیاست مضمر ہے۔یعنی اقبال جس جامع زندگی کے حامی ہیں وہ اسلام ہے جو خود ایک ہمہ گیر اشتراکی اور جمہوری نظام ہے۔اس کی جمہوریت مغربی جمہوریت سے اور اس کی اشتراکیت چین اور روس کی اشتراکیت سے زیادہ ہمہ گیر اور انسانیت کی ہمہ جہتی اور ارتقاء میں زیادہ مددگار ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال جس جمہوریت کے خواہشمند ہیں، اس سے ان کی کیا مراد ہے۔کیا وہ نظام جو اس وقت بیشتر اسلامی ملکوں میں قائم ہے یا وہ نظام جو چودہ سو سال پہلے نبی پاکؐ نے مدینہ منورہ میں قائم کیا تھا۔

اقبال کے نزدیک روح اسلام میں بہترین جمہوریت موجود ہے، سب سے پہلے اسلام نے ہی مشاورت کے ذریعے حکومت کے انتخاب کا ڈول ڈالا ہے۔اسلام نے یہی یہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ امیر المومنین کو رعیت کا معمولی فرد، عدالت میں جواب دہی کیلئے حاضر کرا سکتا ہے۔سب سے پہلے قائم کی جانے والی رفاعی مملکت بھی اسلام ہی کا کارنامہ ہے۔اس بناء پر اقبال کو نہ تو مغربی جمہوریت پسند ہے نہ اشتراکی جمہوریت وہ ان سب کو ناقص سمجھتے ہیں۔اقبال کے نزدیک جمہوریت صرف ایک ہی ہے وہ ہے اسلام۔اسلام ایک ایسا جامع نظام ہے جس میں کوئی کمزوری نہیں جو مساوات حقوق کا علمبردار ہے اور دنیا کے تمام ادیان اور نظاموں سے بڑھ کر جمہوری ہے۔

اقبال نے کوئی معین اور مشخص طرز حکومت کا خاکہ بیان نہیں کیا ہے جس کو سامنے رکھتے ہوئے جمہوری طرز حکومت کی مخالفت اور نقائض کو بیان کیا جائے۔ البتہ ان کے نظریات سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اقبال بھی مودودی کی طرح (تھیوکریسی) خلافت جمہور کی طرز پر حکومت کے نظریے کے قائل تھے۔ خلافت جمہور نہ کلی طور پر خلافت راشدہ کی طرح خلافت ہے اور نہ ہی کلی طور پر دنیا میں رائج جمہوریت کی طرح ہے بلکہ ان دونوں کے درمیانہ طرز حکومت ہے۔ ہم اس کو مثل خلافت کا نام دے سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں آیات استخلاف (النور ۵۵)، آیات تمکین فی الارض، (الحج ۴۱)، آیات حکم عدل و امانت، (النساء ۵۸) اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ دراصل خلافت خدا کی ایک نعمت ہے۔ جو مومنین کو زمین پر اقتدار، قوت اور حکومت کی صورت میں عطاء کی جاتی ہے جو تعلیم و تبلیغ غلبہ دین اور قیام امن عالم کی ضمانت بن کر انسانیت کی فلاح و سکون کیلئے بہترین نظامِ زندگی فراہم کرتے ہیں۔

سید مودودی جس جمہوری خلافت کی بات کرتے ہیں اس سے وہ Theo Democracy (الٰہی یا مذہبی جمہوریت) مراد لیتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں سید مودودی لکھتے ہیں۔ "میں اس طرز حکومت کو الٰہی جمہوریتTheo Democratic State کے نام سے موسوم کروں گا۔ کیونکہ اس میں خدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود حکومت عطا کی گئی ہے۔ اس میں عاملہ مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں صریح حکم موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہو گا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔" (15) بہر حال سید مودودی ایسی اسلامی جمہوری حکومت کے قائل ہیں جس میں اختیار منجانب اللہ عطاء کردہ ہو۔ کیونکہ یہی قرآنی حکم ہے۔

" وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (16) اور جب کہ تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہو" (17) اس آیت کے ذیل میں آپ لکھتے ہیں۔ "خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کوئی بھی ملک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ وہ مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک کا نائب ہوتا ہے اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ

مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں وہ اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا کام مالک کے منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کرکے اس کے منشاء کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔" (18)

بہر حال بیسویں صدی کے مفکرین کو دو چیلنجز درپیش تھے ایک مغربی تہذیب کے الحادی نظریات اور دوسرا سیکولر جمہوریت کی یلغار، مغربی استعمار نے نظریہ قومیت کا محکوم قوموں کو مزید انتشار کا شکار کرنے کے لئے استعمال کیا، عثمانی خلافت کا خاتمہ، آریہ سماج، عیسائی مشنری نے مسلمانوں میں بدترین قسم کی فرقہ بندی اور فقہی وکلامی مسائل پر دائرہ اسلام سے اخراج کے لئے مناظروں کی حوصلہ افزائی کی اور ان شخصیات کو تحفظ فراہم کیا۔ وسط ایشیاء پر روس کا قبضہ، مشرق وسطیٰ پر استعماری قوتوں کی بالادستی، افریقہ میں عیسائیت کا فروغ، ہندوستان میں مسلمانوں کو سیکولر بناکر ہندی قومیت میں ضم کرنے کی تحریک وہ تمام عوامل تھے جن کی وجہ سے اسلام کا نشاط ثانیہ لازم ہوگیا تھا۔ عالمی درپیش افکار اور نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام کے عالمگیر اور آفاقی اصولوں کو اجاگر کرکے اس کے عملی پہلوؤں کو از سر نو تازہ کرنا لازمی تھا۔

حاصل کلام

سید مودودی اور علامہ اقبال نے موجودہ رائج العمل جمہوریت پر شدید تنقید کی ہے۔ جس سے اکثر محققین اور مفکرین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ شاید یہ دونوں شخصیات جمہوریت کی مخالف اور متضاد نظریات کے حامل ہیں۔ تحقیق ہذا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں شخصیات جمہوریت کی کلی طور پر مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ جمہوریت کو اسلام کے آفاقی اصول وضوابط کے ماتحت قیام میں لانا لازمی سمجھتے ہیں۔ اگر جمہوریت کو اسلام کے آفاقی اصولوں کے ماتحت نہ رکھا گیا تو پھر یہی جمہوریت اشتراکیت، ملوکیت، بادشاہت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے نیز ہر طرح کی اخلاقی اقدار سے مبرا ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے اردو شاعری کے ذریعے قومیت کے دھاروں کو اسلامیت کے رنگ سے آشنا کیا۔ اسلامیت کے جس دروازے کو علامہ اقبال نے کھولا، سید مودودی نے اس میں داخل ہو کر ملت کے اسلامی تہذیب وثقافت کا ایک ایوان تعمیر کرنے کی کوشش کی اور یہ تصور ایوان ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر اور عالمگیر اور آفاقی ہے۔ جس کو سید مودودی کے زبانی "خلافت جمہور" کا نام دیا گیا ہے۔

حوالہ جات

(1) لوئس معلوف، **المنجد**، ص۹۹، للمطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت، ۱۹۵۲

(2) کرن آرمسٹرانگ، **مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال**، مترجم محمد احسن بٹ (لاہور: نگارشات، پبلشرز، مزنگ روڈ:2005)ص۱۷٦،

(3) رئیسی، ڈاکٹر سجاد علی، **سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلہ نورِ معرفت**، اسلامی ریاست کا تصور اور ضرورت (اسلام آباد: نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، جولائی تا ستمبر 2015)

(4) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۰ء)ص131

(5) مودودی، **اسلامی ریاست**، ص۵۴۲۔۵۴۱

(6) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **خلافت وملوکیت** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۷۰ء)ص۲۸۹

(7) http://www.dictionary.com/browse/republic

(8) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۷۰ء)ص۳۴

(9) مودودی، **اسلامی ریاست**، ص۱۲۸۔۱۲۹

(10) مودودی، **اسلامی ریاست**، ص۱۳۰۔۱۳۱

(11) علامہ محمد اقبال، **ارمغان حجاز**، (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۳٦ء) ابلیس کی مجلس شوریٰ

(12) فتحپوری، **اقبال سب کیلیے**، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، طبع ثانی ۱۹۹۹ء)ص۱۲۹

(13) فتحپوری، **اقبال سب کیلیے**، ص۱۳۴

(14) https://www.quora.com/What-was-Abraham-Lincolns-definition-of-democracy

(15) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **رسائل ومسائل**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء) جلد اول ا، ص۳٦۲

(16) القرآن:2/30

(17) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز) جلد 1، سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۳۰

(18) سید ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۰ء) جلد اول، ص٦۲